ڈاکٹر فیصل ریحان

اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ انٹر کالج، برشور [بلوچستان]

یوسف عزیز مگسی کا افسانہ ’’تکمیلِ انسانیت‘‘: بازیافتِ متن کا حال اور تنقیدی قرات

In1934, a newspaper "Balochistan-i-jadeed" published Yousaf Aziz Magsi's story "Takmeel-i-Insaniyat" which is generally believed to be the the first-ever Urdu short story in Balochistan, Interestingly, this short story was not available in a complete form for a long period of time. A couple of years back the short story was made available when a copy of the same newspaper was found. Given the political stature of Magsi in Balochistan, University of Balochistan published this story in a separate pamphlet in 2017. This article debunks the claim of Takmeel-iInsaniyat to be the first-ever Urdu short story in Balochistan in the context of literary aspects of a short story. Also, this article rejects the claim of another short story to be the first in Balochistan. This article is meant to open up new debates to identify the first-ever Urdu short story in Balochistan.

بلوچستان میں اردو نثر کے ابتدائی خط و خال انیسویں صدی کے نصف آخر میں ملتے ہیں، جو کہ غیر افسانوی نثر پر مشتمل ہیں۔ ان میں بلوچی زبان سیکھنے کے اصول، بلوچی لفظیات و تراکیب کے موضوع پر کتب، چند سرکاری رپورٹس اور سرکاری و نجی خطوط شامل ہیں ۔ ادبی نثر کا ظہور یہاں بیسویں صدی میں ہوا۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں یہاں افسانے اور ناول کے طور پر مشہور ایسی چند ہی تحریریں یا ان کا تذکرہ ملتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد ہی بلوچستان میں اردو نثر کا باقاعدہ ارتقاء ہوتا نظر آتا ہے۔ جب یہاں ایسے افسانے اور ناول لکھے گئے جو اپنے موضوع، کہانی ،اسلوب، کردار نگاری، زمان و مکاں اور وحدت تاثر جیسی افسانے کی بنیادی کلاسیکی خصوصیات کے حامل ہیں۔ یہ افسانے اور ناول کی کم از کم تعریف پر پورا اترتے ہیں، یہ الگ بات کہ ان میں سے بیشتر ناول پاپولر لٹریچر یا مقبول عام ادب کے زمرے میں آتے ہیں۔ بیسویں صدی کے نصف اول یعنی قیام پاکستان سے قبل یہاں ادبی نوعیت کی سنجیدہ تحریریں بہت کم لکھی گئیں، البتہ سیاسی و سماجی موضوعات پر مضامین ضرور ملتے ہیں۔ زیر نظر مقالے میں بلوچستان میں لکھے گئے اردو کے اولین افسانے کے بہ طور مشہور چلی آتی تحریر کے مکمل متن کی بازیافت کا احوال اور اس متن کی تنقیدی قرات کرتے ہوئے یہ

بحث کی گئی ہے کہ آیا یوسف عزیز مگسی [۱۹۰۸ء۔۱۹۳۵ء] کا افسانہ 'تکمیل انسانیت' فنی طور پر افسانے کے معیار پر پورا اترتا ہے کہ نہیں۔ کیونکہ یہ تحریر اگر واقعی افسانہ ہے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے تو پھر بلوچستان میں اردو کے اولین افسانے کا سہرا یقیناً یوسف عزیز مگسی کے سر ہے۔ اور اگر یہ تحریر افسانے کے معیار پر پورا نہیں اترتی تو بہ طور افسانہ اس کے کمزور پہلو عیاں کرنا ضروری ہے تاکہ اسے افسانہ سمجھنے کے عام تصور کو رد کیا جاسکے۔ پھر یہ سوال بھی لامحالہ اٹھتا ہے کہ بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ اور افسانہ نگار کون ہے؟ یوسف مگسی کا افسانہ اپنی پہلی اشاعت ۱۹۳۴ء کے بعد سے اب تک نایاب تھا ۔اس لیے اپنی تاریخی اہمیت کے باوصف اب تک اس کا تجزیہ نہیں کیا گیا، حال ہی میں اس افسانے کا مکمل متن سامنے آیا ہے۔ اسی طرح کچھ عرصہ قبل بلوچستان میں اردو کے استاد ضیاء الرحمان نے اپنے ایک مقالے میں 'تکمیل انسانیت' کی بجائے ایک اور نوبازیافت مگر مطبوعہ تحریر کو بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ قرار دیا ہے۔ یہاں ہر دو افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ تاہم پہلے یوسف عزیز کے افسانے 'تکمیل انسانیت' پر بات ہوگی کہ بلوچستان میں اس کا چرچا زیادہ ہے اور اولیت کی بناء پر اسے بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ افسانے پر گفتگو سے پیشتر مناسب ہوگا کہ یوسف عزیز مگسی کی شخصیت اور بلوچستان میں ان کے سیاسی قد وقامت اور کردار کے بارے چند بنیادی باتیں واضح کردی جائیں۔

یوسف عزیز مگسی ، بلوچستان کے ایک اہم بلوچ قبیلے مگسی کے نواب قیصر خان مگسی کے ہاں جھل میں ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے۔ نواب قیصر خان نہ صرف ریاست قلات کے ایک اہم نواب تھے بلکہ انھیں انگریزی حکومت سے سی آئی اے کا خطاب بھی ملا تھا۔ یوسف عزیز کے بڑے مگر سوتیلے بھائی گل محمد خان [۱۸۸۳ء۔۱۹۵۳ء] تھے، جو ایک ہفت زبان شاعر تھے۔ ان کے دو فارسی دیوان پنج گلدستہ ء زیب ۱۹۳۲ء اور خزینۃ الشعار ۱۹۳۶ء میں لکھنو سے طبع ہوئے تھے، جبکہ ان کا ایک قلمی مجموعہ ارمغانِ عاشقاں بھی بتایا جاتا ہے جو ہنوز شائع نہیں ہوسکا۔ [1] ۱۹۲۲ء میں نواب قیصر خان کا ریاست قلات کے وزیر اعظم شمس شاہ سے کسی بات پر اختلاف ہوا جو بڑھتے بڑھتے ان کی معزولی پر منتج ہوا اور ان کے صاحبزادے گل محمد خان کو ان کی جگہ نواب بنادیا گیا۔ اس باعث اور ان کے والد کی وفات کے بعد جائیداد کی تقسیم کی وجہ سے یوسف مگسی کے اپنے بھائی سے کبھی اچھے مراسم نہ رہے۔ یوسف عزیز مگسی لڑکپن سے ہی تعلیم کے شوقین، متین مزاج کے مالک اور سیاسی شعور سے بہرہ ور تھے۔ اس لیے کم عمری کے باوجود انھوں نے بلوچستان کے لوگوں میں سیاسی شعور کی بیداری کے لیے بہت کام کیا۔ وہ سرسید احمد خان اور اقبال سے بہت متاثر تھے۔ اس دور میں انھوں نے ریاست قلات کے وزیر اعظم کے جابرانہ اقدامات اور شہری حقوق کے لیے لاہور کے کئی اخبارات میں مضامین لکھے اور پمفلٹ شائع کیے۔ وہ شاعر بھی تھے سو اقبال کی تقلید میں انھوں نے اپنی شاعری سے بھی قومی بیداری کا کام لینے کی کوشش کی۔ یوسف عزیز مگسی

اپنی سیاسی، سماجی اور علمی سرگرمیوں میں مصروف تھے کہ ناگہانی طور پر ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کے ہولناک زلزلے میں صرف ستائیس برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ وہ اپنے انقلابی خیالات کے باعث بلوچستان اور بلوچستان سے باہر ایک مقبول رہنما تھے۔ ان کے پاک و ہند کی اہم شخصیات کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ مولانا ظفر علی خان کے ذیل کے قطعے سے بھی ایسے بے تکلفانہ تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں یوسف عزیز مگسی کی متین اور خوبصورت شخصیت کا عکس بھی نظر آتا ہے:

تم کو خفی عزیز ہے ہم کو جلی عزیز
عارض کا گل تمھیں، ہمیں دل کی کلی عزیز
لفظِ بلوچ مہر ووفا کا کلام ہے
معنی ہیں اس کلام کے یوسف علی عزیز [۲]

یوسف عزیز مگسی کے انتقال کو ایک زمانہ ہو چکا مگر آج بھی انھیں بلوچستان میں نہ صرف عزت وتکریم سے یاد کیا جاتا ہے بلکہ وہاں کی جدید ''سیاست کا ابوالا آبا'' کہا جاتا ہے۔

تکمیل انسانیت : بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ

یہ اپنی نوعیت اور ملک کی ادبی روایت کا انوکھا واقعہ ہے کہ جس افسانے کو بلوچستان کے محققین یہاں لکھا گیا اردو کا پہلا افسانہ قرار دیتے رہے ہیں۔ وہ اب تک یعنی قریب قریب پون صدی تک مکمل صورت میں دستیاب ہی نہیں تھا۔ پھر اس افسانے کے متن کا جو مختصر حصہ ایک آدھ کتاب میں حوالے کے طور پر دیا جاتا رہا، اس کا بھی تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا کہ آیا یہ اقتباس افسانے کی تعریف پر پورا اترتا ہے کہ نہیں۔ یوسف عزیز مگسی کے تحریر کردہ اس افسانے کا عنوان ''تکمیل انسانیت' ہے، اور اس کا زمانۂ تحریر گذشتہ صدی کی تیسری دہائی کے ابتدائی سال ہیں۔ اگرچہ یہ افسانہ اردو ادب کے طلبہ یا عام قارئین کو پڑھنے کے لیے ایک طویل عرصے تک دستیاب نہیں رہا مگر بلوچستان کے ناقدین اور محققین اس کا ذکر ایک تواتر سے یوں کرتے رہے جیسے یہ عام پایا جاتا ہو۔ ایسے دعووں کی وجہ دراصل بلوچستان میں اردو تحقیق کے بنیاد گزار انعام الحق کوثر [۱۹۳۰ء۔۲۰۱۴ء] کی کتاب بلوچستان میں اردو میں شامل اس افسانے کا تذکرہ، مختصر اقتباس اور اس کا خلاصہ ہے۔ وہ اس افسانے کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''تکمیل انسانیت؛ [طبع زاد افسانہ] از محمد یوسف علی عزیز مگسی (چار قسطیں) مطبوعہ بلوچستانِ جدید، کراچی شمارے یکم مئی ۱۹۳۴ء ، ۸ مئی ۱۹۳۴ء ، ۱۶ مئی ۱۹۳۴ء ، ۲۴ مئی ۱۹۳۴ء۔ [۳]

اس کے بعد انہوں نے اس افسانے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے اور ایک اقتباس بھی دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ افسانہ مکمل پڑھا ہے۔ انعام الحق کوثر نے البتہ اسے بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ قرار نہیں دیا؛ مگر ایک طویل عرصے تک کسی تحریر یا کتاب میں اس سے پہلے کے زمانے کے کسی افسانے کا ذکر نہیں ملتا۔ شاید یہی وجہ ہے، کئی لوگوں نے خود ہی نتیجہ اخذ کر کے اسے بلوچستان میں اردو افسانے کا نقشِ اول تسلیم کر لیا۔ فاروق احمد [وفات ۲۰۱۰] جامعہ بلوچستان، کوئٹہ میں اردو کے استاد رہے ہیں، وہ ایک نقاد بھی تھے۔ بلوچستان کے ادب پر لکھے گئے ان کے تنقیدی مضامین آج بھی شوق اور توجہ سے پڑھے جاتے ہیں۔ وہ بلوچستان میں اردو افسانے کے آغاز کے بارے میں لکھتے ہوئے یوسف عزیز کے افسانے کے متعلق کہتے ہیں:

> بلوچستان میں اردو افسانہ نگاری کی ابتداء ۱۹۳۴ء کے آس پاس ہوتی ہے۔ اور باقاعدہ طبع زاد افسانہ نگار یوسف عزیز مگسی قرار دیے جاسکتے ہیں۔ یہ زمانہ بلوچستان میں سیاسی، سماجی سرگرمیوں کا زمانہ ہے اور ''تکمیل انسانیت'' جسے پہلے افسانے کی حیثیت حاصل ہے۔ انہی موضوعات سے عبارت ہے۔ یوسف عزیز مگسی مولانا ظفر علی خان کی طرز تحریر اور فکر سے متاثر ہیں۔ کراچی سے شائع ہونے والا افسانہ ''تکمیل انسانیت'' مذہبی اخلاقیات سے متاثر نظر آتا ہے۔[۴]

ان کے علاوہ اس افسانے کی اولیت کا اظہار مبارکہ حمید کی اس کتاب میں ملتا ہے جو دراصل ان کا بلوچستان کے افسانے پر لکھا ایم فل کا مقالہ ہے۔ وہ اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> بلوچستان میں اردو افسانے کا باقاعدہ آغاز کی تحقیق وجستجو میں جو نام ہمارے سامنے آیا ہے وہ یوسف عزیز مگسی کا افسانہ ''تکمیل انسانیت'' ہے۔ یہ افسانہ چار قسطوں یکم مئی، ۸ مئی، ۱۶ مئی اور ۲۴ مئی ۱۹۳۴ء میں لکھا گیا اور بلوچستانِ جدید کراچی میں شائع ہوا۔[۵]

مبارکہ حمید نے بھی اس افسانے کا مختصر خلاصہ لکھا ہے، جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ افسانہ خود پڑھا؛ یہ ایک اہم بات ہے، مگر اس کا تذکرہ کرنا انھوں نے مناسب سمجھا نہ یہ بتایا کہ یہ افسانہ انھیں کہاں سے دستیاب ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک عرصے تک یہ افسانہ نایاب رہا ہے اور بلوچستان کے ادب سے دلچسپی رکھنے والے اس افسانے کی کھوج میں تھے۔ اگر یہ افسانہ انھوں نے خود پڑھا اور انعام الحق کوثر کے خلاصے کا خلاصہ نہیں لکھا تب انھیں اس کا ماخذ بتانا چاہیے تھا۔ مبارکہ حمید البتہ اپنے اس 'مطالعے' کی بناء پر اسے بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ قرار دیتی ہیں جس کا اظہار اوپر پیش کیے گئے ان کے اقتباس سے ہوتا ہے۔ اس افسانے کا تذکرہ اردو ادب کی کسی تاریخ میں ملتا ہے نہ ہی افسانے کے ارتقائی

مطالعات میں اس کا ذکر آیا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اس افسانے کی عدم موجودگی اور متن کے فنی مطالعے سے قطع نظر بعض لکھنے والوں کے ہاں انہی ادھوری معلومات کے حوالے سے یوسف عزیز مگسی کے افسانے کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً طاہرہ اقبال اپنی کتاب پاکستانی اردو افسانہ میں مبارکہ حمید ہی کی معلومات پر تکیہ کرتے ہوئے اس افسانے کا ذکر تحریک آزادی کے پس منظر میں کرتی ہیں۔[۶] ان کی کتاب [جو دراصل پی ایچ ڈی کا تھیسس ہے] ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی تھی اور تب تک یہ افسانہ نایاب تھا۔ ان کے علاوہ 'مرکز' کے دیگر محققین اور نقاد تو شاید اس کے وجود سے اب تک آگاہ نہیں، تاہم جیسا کہ اوپر تفصیل سے بتایا گیا ہے بلوچستان کے محققین کے ہاں اس کا ذکر ضرور ملتا ہے البتہ اس افسانے کا مکمل متن نایاب تھا۔ ایک طول عرصے کی جستجو کے بعد اب کہیں جا کر یہ افسانہ اپنی اولین اشاعت کے قریباً اسی (۸۰) سال بعد منظرِ عام پر آیا ہے، جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ شاہ محمد مری [پ ۱۹۵۴ء] یوسف عزیز مگسی پر لکھی گئی اپنی کتاب میں اگرچہ اس تحریر کو پہلا افسانہ قرار نہیں دیتے، مگر وہ بھی اسے افسانہ ضرور سمجھتے ہیں۔ ان کے بقول: ''محققین کو ان کا لکھا ہوا صرف ایک افسانہ دستیاب ہو سکا ہے۔ جس کا عنوان تھا ''تکمیل انسانیت'۔''[۷] ان کی یہ مذکورہ کتاب پہلی بار ۲۰۰۹ اور دوسری بار ۲۰۱۴ء میں طبع ہوئی۔ اس وقت تک یہ افسانہ منظر عام پر نہیں آیا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے صرف 'محققین کے لکھے' پر ہی اعتبار کیا۔ یہ وہی محققین ہیں جن کا حوالہ ابتداء میں دیا جا چکا ہے۔

محولہ بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان مختلف لکھنے والوں نے درحقیقت انعام الحق کوثر کی تحریر پر صاد کیا۔ جنھوں نے سب سے پہلے اپنی کتاب میں اس افسانے کا ذکر کیا۔ ان کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھانے والوں نے نہ تو اس مکمل افسانے کی عدم موجودگی پر کوئی بات کی، اور نہ ہی اس کے دستیاب متن کو بغور پڑھنے کی زحمت گوارا کی کہ آیا یہ کسی ادبی فن پارے کا حصہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ یوں لگتا ہے کہ یہ تمام لوگ یوسف عزیز مگسی کے سیاسی، سماجی، اور تاریخی کردار کی بناء پر ان کی عظمت سے مرعوب رہے ہیں۔ اس لیے ان سے منسوب ایک ایسی تحریر کو افسانہ بلکہ بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ قرار دیتے رہے، جسے شاید ہی افسانہ کہا جا سکتا ہو۔ اسی صورتحال کا شکار ضیاء الرحمن نظر آتے ہیں جو اپنے مضمون ''کیا 'تکمیل انسانیت'، بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ ہے؟'' میں اسے افسانہ تو قرار دیتے ہیں مگر پہلا نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''تکمیل انسانیت'، بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ نہیں ہے۔ نہ ہی یوسف عزیز مگسی بلوچستان میں اردو کے پہلے افسانہ نگار ہیں۔ دستیاب ماخذ کی بنیاد پر یہ دعویٰ درست ہے کہ بلوچستان میں اردو کا اب تک دستیاب ہونے والا پہلا افسانہ ''ایک رازِ سربستہ کا انکشاف یا غیبی امداد' ہے۔ اس کے مصنف محمد عمر بلوچ ہیں۔[۸]

درج بالا اقتباس سے یہ صاف ظاہر ہے، کہ وہ 'تکمیل انسانیت' کو افسانہ اور اس کی بنا پر یوسف عزیز مگسی کو افسانہ نگار

تو ضرور سمجھتے ہیں، مگر پہلا نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے، کہ وہ اپنی تحقیق کی بدولت ایک اس سے بھی زیادہ پرانا افسانہ تلاش کر چکے ہیں، جس کا نام اور حوالہ درج بالا اقتباس میں دیا جا چکا ہے۔اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان کا دعویٰ درست ہے؟اس بارے میں مقالہ نگار کا خیال ہے کہ ضیاء الرحمٰن کا دعویٰ درست نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ چاہے ''تکمیل انسانیت'' ہو اور یا پھر ''ایک راز سر بستہ کا انکشاف یا غیبی امداد' یہ دونوں تحریریں افسانے کی تعریف پر پوری نہیں اترتیں۔لہٰذا انہیں افسانہ قرار دینا مناسب نہیں۔ان دونوں 'افسانوں' پر بات کرنے سے قبل یہ دیکھنا بہتر ہوگا کہ افسانہ کیا ہے؟اس حوالے سے معتبر لکھنے والوں نے کیا رائے دی ہے اور ان کی نظر میں افسانے کی تعریف پر پورا اترنے والی تحریر کے خواص کیا ہیں؟وقار عظیم اپنی کتاب فن افسانہ نگاری میں افسانے کے فن پر آئی۔بی ایسن وین کی رائے درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے بقول:

> ''مختصر افسانہ ایک مختصر تخیلی تخلیق ہے۔جس سے کسی ایک مخصوص واقعہ یا کردار کا نقش پلاٹ کے ذریعے اس طرح ابھارا جاتا ہے کہ پلاٹ کی ترتیب و تنظیم سے ایک مخصوص تاثر پیدا ہو سکے۔''[۹]

یعنی اول تو افسانہ تخیل پر مبنی ہو اور یا پھر افسانے میں پیش کردہ حقائق اور واقعات کو دلچسپ پیرائے میں بیان کیا گیا ہوتا کہ وہ قاری کے ذہن پر کوئی تاثر پیدا کرے۔اس باب میں اردو کے اہم افسانہ نگاروں کی آراء بھی اہم ہو سکتی ہیں مثلاً پریم چند افسانے کو انسان کی نفسیاتی حالت سے جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں۔''مختصر افسانہ وہ ہوتا ہے جس کی بنیاد کسی نفسیاتی حقیقت پر رکھی جائے۔''[۱۰] یہ کہا جا سکتا ہے کہ افسانہ محض ایک مختصر قصہ یا ایک بھولی ہوئی یاد نہیں ہوتا۔یہ ایک چھوٹی سی کچی پکی کہانی یا کسی منظر کا بیان بھی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لکھنے والا اپنے فن کی بدولت اس میں ایک لمحے کو اس طرح روشن کر دیتا ہے کہ وہ ساری زندگی پر محیط معلوم ہوتا ہے۔اس میں ایک ایسا تاثر پایا جاتا ہے جو بہ آسانی دل سے محو نہیں ہوتا۔پھر ایک اہم عنصر افسانے کا دلچسپ ہونا سمجھا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے یہ ابتداء ہی سے قاری کو جکڑ لیتا ہے۔اس میں تخئیل بھی کارفرما ہوتا ہے، مگر یہ حقیقی زندگی کی ترجمانی کرتا ہے۔افسانے کے کردار عام زندگی کے قریب ہوتے ہیں؛ قاری ان کو اپنے جیسا گوشت پوست کا انسان سمجھتا اور ان کا اچھا یا برا اثر قبول کرتا ہے۔یہاں دانستہ طور پر پریم چند وغیرہ کی مثالیں دی گئی ہیں کہ جس افسانے کا تجزیہ مقصود ہے وہ انہی کے زمانے میں لکھا گیا تھا اور وہ اسی زمانے سے متعلق مگر اردو کے پہلے بڑے افسانہ نگار ہیں۔جدید افسانے کے فن پر لکھی گئی شمس الرحمٰن فاروقی یا محمد حمید شاہد کی تنقید کا حوالہ اس لیے نہیں دیا گیا کہ راقم کی نظر میں 'تکمیل انسانیت' اتنی کمزور تحریر ہے کہ افسانے کی جدید تنقید کے تناظر میں اسے پرکھنا انصاف نہیں۔اس ضمن میں مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ بلوچستان میں اردو کے ''اولین'' قرار دیے گئے یہ 'افسانے' کسی طور افسانے کے معیار

پر پورا نہیں اترتے؛ اس لیے ان دونوں تحریروں کو افسانہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم ان میں سے ایک چونکہ بلوچستان کی ایک اہم ترین شخصیت سے منسوب ہے اور وہاں کے ناقدین اسے نہ صرف افسانہ سمجھتے ہیں بلکہ وہاں لکھا گیا پہلا افسانہ گردانتے ہیں اس لیے اس کے متن کا بھرپور تجزیہ اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے۔ اس باب میں مزید گزارش حال یہ ہے کہ 'تکمیل انسانیت' کے مکمل متن کی غیر موجودگی میں اسے افسانہ قرار دینا تحقیق و تنقید کے اعلیٰ اصولوں کی نفی ہے، جو بلوچستان کے محققین سے سرزد ہوتی رہی ہے۔ حال ہی میں اس کا مکمل متن سامنے آیا ہے، لہٰذا اس مکمل متن کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔

''تکمیل انسانیت'' مکمل متن کی بازیافت اور تنقیدی قرات

بلوچستان میں اردو کے پہلے افسانے کے طور پر مشہور ''تکمیل انسانیت'' کی تلاش و جستجو راقم سمیت بہت سے لوگوں کو تھی، مگر یہ افسانہ تھا کہ کسی صورت ملنے میں نہ آتا تھا۔ ۲۰۱۷ء میں کوئٹہ سے یہ خبر ملی کہ بلوچستانِ جدید کی ۱۹۳۴ء کی وہ فائل بالآخر دستیاب ہو گئی، جس میں یوسف عزیز مگسی کا افسانہ ''تکمیل انسانیت'' پہلی اور آخری بار قسط وار شائع ہوا تھا۔ یہ چونکہ یوسف عزیز مگسی کی تحریر تھی اس لیے اسے ایک اہم 'افسانہ' گردانتے ہوئے اسی سال ایک کتابچے کی صورت میں یونیورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ نے شائع کر دیا۔ البتہ اس میں ایک آدھ جگہ کوئی لفظ چھوٹ گیا، یا کسی جگہ آدھا جملہ مرتب سے پڑھا نہیں گیا۔ شاہ محمد مری پیش لفظ میں اس کی بازیافت کا حال بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ابھی چند روز قبل پرانے مسودات کے ایک عاشق سکالر جناب شوکت عزیز نے ہم سب کا یہ مسئلہ حل کر دیا۔ اس نے ہفت روزہ بلوچستانِ جدید کراچی کے یکم مارچ ۱۹۳۴ء سے لے کر ۲۸ جولائی ۱۹۳۴ء تک کی پوری فائل جلد شدہ صورت میں ہمیں عطیہ کر دی۔ اسی جلد میں وہ خود گزشت افسانہ موجود تھا، جس کی تلاش میں ہم جیسے کئی لوگ مارے مارے پھر رہے تھے۔[۱۱]

گویا اپنی پہلی اشاعت کے قریباً اسی (۸۰) سال کے بعد اس کا مکمل متن ہمارے سامنے آیا ہے۔ واضح رہے کہ اخبار بلوچستانِ جدید کی فائل کے مطابق یہ افسانہ اس انھی چار اشاعتوں میں قسط وار شائع ہوا ہے جس کی تفصیل انعام الحق کوثر نے دی ہے۔ ''تکمیل انسانیت'' نو (۹) مختصر اقتباسات کی صورت شائع ہوا ہے۔ اسے افسانہ کہنا محلِ نظر ہے، افسانے کے کسی بھی سنجیدہ قاری کے لیے اسے افسانہ قرار دینا مشکل ہو گا۔ جو لوگ یوسف عزیز مگسی کے حالات زندگی سے کسی حد تک واقف ہیں وہ اس کی قرات سے اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ دراصل یوسف مگسی کی مختصر خودنوشت یا آپ بیتی کا ایک حصہ ہے؛ اس میں انھوں نے اپنے ذاتی کوائف اور والد کی وفات کے بعد خود پر گزرنے والے حالات و واقعات کو

کہانی کے روپ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ اس کے مدون شاہ محمد مری نے بھی شعوری یا لاشعوری طور پر اسے 'خود گزشت افسانہ' قرار دیا مگر وہ اسے بہ طور افسانہ رد نہ کر سکے۔

اس میں پیش کردہ کہانی کے مرکزی کردار کا نام عزیز احمد ہے[جبکہ اس کے مصنف یعنی یوسف علی مگسی کا تخلص عزیز ہے اور یہ ان کے نام کا مستقل حصہ ہے]۔اس کے علاوہ کہانی کے باقی کرداروں کے نام فرضی ہیں جو مرکزی کردار یعنی عزیز کے بھائیوں، والد اور ریاست جبل پور[درحقیقت ریاست قلات مراد ہے] کے چیف کمشنر وغیرہ ہیں۔کہانی میں پیش کردہ کرداروں کے نام اگرچہ فرضی ہیں مگر یہ صاف پہچانے جاتے ہیں۔یہ اتنے واضح ہیں کہ قلات کی تاریخ سے سرسری واقفیت رکھنے والا ہر شخص انھیں پہچان سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ پیش لفظ میں شاہ محمد مری افسانے اور اس کے کرداروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> مذہبی جذبات سے سرشار یوسف عزیز مگسی نے خود اپنی تعلیم وتربیت اور بعد ازاں سیاسی زندگی کے ایک مختصر حصے کا تذکرہ افسانے کے انداز میں کیا۔عزیز احمد (یوسف عزیز مگسی)، رشید احمد (محبوب علی)، مرزا آفتاب احمد (ڈکٹیٹر وزیر اعظم شمس شاہ) اور اشفاق احمد (مگسی صاحب کا بڑا اور سوتیلا بھائی گل محمد خان) اس افسانے کے مین کردار ہیں۔[۱۲]

اس 'افسانے' کا خلاصہ یوں ہے کہ مرکزی کردار عزیز احمد ایک نوجوان شخص اور ایک نواب کا بیٹا ہے جسے انگریزی تعلیم باقاعدہ حاصل نہ کر سکنے کا رنج ہے۔وہ گھر پر ایک استاد سے کچھ تعلیم حاصل کرتا ہے۔چونکہ وہ مطالعہ کا شوقین ہے اور اپنے ذاتی شوق کی بناء پر خاطر خواہ استعداد حاصل کر لیتا ہے۔اس کے والد کی وفات کے بعد اس کا بڑا سوتیلا بھائی جائیداد کا بڑا حصہ خود ہتھیا لیتا ہے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو اس کا برائے نام حصہ دیتا ہے۔اس کے باوجود انھیں مزید ہراساں کرانے کی خاطر جبل پور کے کمشنر سے ساز باز کر کے انھیں ایک مضمون لکھنے کے جرم میں جرگے کے ذریعے تین ماہ قید کی سزا سنا کر گرفتار کرا دیتا ہے۔وہ دراصل عوام میں اس کی پذیرائی اور مقبولیت سے خائف ہوتا ہے اور اسے اپنے لیے خطرہ سمجھتا ہے۔حالانکہ عزیز احمد نے یہ مضمون ریاست کے کمشنر کے جور وستم کے خلاف ایک اخبار میں لکھا ہوتا ہے۔عزیز احمد قید کے دوران سارا وقت تلاوت قرآن پاک اور فلسفہء اسلام پر غور وفکر کرتے ہوئے بتاتا ہے اور آخر کار صداقت پا لیتا ہے۔کہانی کے آخر میں ایک رات جیل میں دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور وہ اسے ایک مکالمے کے دوران یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو گیا ہے، اب اس کی مشکلات ختم ہوں گی اور نواب اشفاق احمد[افسانے میں اس کے سوتیلے بھائی کا نام] کیفر کردار کو پہنچے گا، اس پر عزیز احمد اپنے بھائی کے لیے عذاب کی بجائے ہدایت کی استدعا کرتا ہے۔افسانے کے آخر میں

آسمان پر فرشتوں کا جلوس اور ان کی نغمہ سرائی دکھائی گئی ہے۔ اور آسمان پر 'تکمیلِ انسانیت' کے الفاظ چمکتے نظر آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کچی پکی کہانی کو افسانہ قرار دینا کسی طور مناسب نہیں کہ فرضی ناموں کے علاوہ یہ یوسف عزیز مگسی کی زندگی کی حقیقی روداد ہے۔ اس میں سے اگر جیل میں فرشتوں سے ملاقات اور مکالمے پر مشتمل حصہ حذف کر دیا جائے کہ حقیقی زندگی میں ایسے واقعات رونما نہیں ہوتے [اور شاید اسی کی بناء پر اسے افسانہ کہا، سمجھا گیا کہ افسانے کے ایک معنی رنگ آمیز جھوٹ کے بھی ہیں] تو اس میں ایسا کچھ نہیں بچتا جسے افسانہ کہا جا سکے۔ اس 'افسانے' میں عزیز احمد کے جو حالات پیش کیے گئے وہ کم و بیش یوسف عزیز مگسی کے اصل سوانحی حالات ہیں جو ان کے بارے میں لکھی گئی تحریروں از قسم مضامین اور کتب میں دستیاب ہیں۔ مثلاً یوسف عزیز مگسی کے خطوط پر مشتمل اور انعام الحق کوثر کی مرتب کردہ کتاب مکاتیبِ یوسف عزیز مگسی کے مقدمے میں ان حالات کا بیان ہوا ہے۔ شاید انھوں نے یہ حالات اسی افسانے سے اخذ کیے ہوں۔ پھر یہی حالات شاہ محمد مری کی کتاب میر یوسف عزیز مگسی میں ان کے سوانح کی ذیل میں ملتے ہیں۔ گویا یا تو ایک معروف شخصیت کے حالات زندگی بارے انھی کے مرقوم 'افسانے' پر تکیہ کیا گیا، چاہے اس کی ابتداء کسی نے کی ہو اور یا پھر ان کے حالاتِ زندگی ان کے اہم ہم عصروں کی زبانی سینہ بہ سینہ چلتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں۔ یہ الگ بات کہ ان کے افسانے میں بیان کردہ واقعات اور اور حقیقی زندگی کے بارے پیش کردہ معلومات میں سرمو انحراف محسوس نہیں ہوتا۔ صاف لگتا ہے کہ یوسف مگسی نے اپنی زندگی میں پیش آئندہ واقعات کو 'افسانے' میں ڈھال دیا۔ یہ سوال البتہ اٹھتا ہے کہ یوسف مگسی نے اپنے حالات افسانے کے روپ میں کیوں لکھے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے عوام کو اپنے ذاتی حالات سے آگاہ کرنے اور ان کے دلوں میں اپنے لیے ہمدردانہ جذبات ابھارنے کے لیے اسے کہانی کے روپ میں پیش کیا، اس لیے اسے ''طبع زاد افسانہ'' قرار دیا۔ حالانکہ یہ تحریر فنی طور پر افسانے کے کم از کم معیار پر بھی پورا نہیں اترتی۔ اسے زیادہ سے زیادہ نیم سوانحی مضمون کہا جا سکتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ اس وقت بلوچستان میں آزادیٔ اظہار پر سخت پابندیاں تھیں، بالخصوص ایسی تحریر لکھنا اور شائع کرنا منع تھا جس میں انگریزی حکومت یا اس کے کسی اہلکار کی اہانت کا پہلو نکلتا ہو۔ چنانچہ یوسف مگسی نے خود پہ گزرے مصائب کو 'افسانے' کی صورت میں لکھا۔ ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اپنے تئیں انھوں نے افسانہ لکھنے کی کوشش کی ہو مگر وہ اپنی ذاتی زندگی سے باہر کہانی تلاش نہ کر سکے یا ان کا فکشن کا تصور اور فہم اتنا مضبوط نہ رہا ہو۔ اس 'افسانے' کی وجہِ تخلیق اوپر بیان کی ہوئی باتوں میں سے کوئی ایک بھی ہوسکتی ہے۔ حالات و واقعات کی طرح اس کے مصنف یوسف عزیز مگسی نے افسانے کے کردار کی جو شخصیت بیان کی ہے وہ بعینہ وہی ہے جو ان کے سوانحی حالات میں بیان کی جاتی ہے۔ مثلاً مصنف افسانہ اس کے ہیرو کے اوصاف بیان

کرتے ہوئے لکھتا ہے:

عزیز احمد فطرت سے ایک خاص قسم کا دل و دماغ لے کر آیا تھا، اور نہایت ہی ذہین تھا۔ جس طرح کہ رئیس زادے اکثر سیر و شکار کے شوقین ہوتے ہیں، عزیز احمد کو ان باتوں سے نفرت تھی، اس کو بچپن سے ہی حصول تعلیم کا شوق نہ تھا بلکہ جنون تھا۔[۱۳]

اور یا پھر اسی افسانے میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

دولت مندی، سخاوت، شرافت، بہادری، ہمدردی، خدا ترسی، خوبصورتی جو ایک عطیہء الٰہی ہے عزیز احمد ان تمام خوبیوں کا سرمایہ دار تھا۔ وہ چند ملکوتی صفات جو ایک انسان کو سطحِ انسانی سے بلند، اس اعلیٰ و ارفع آسمانِ شہرت تک پہنچانے کا ذریعہ ہوتی رہتی ہیں، کا بھی مالک تھا۔[۱۴]

محولہ بالا اقتباسات میں مصنف نے 'افسانے' میں ہیرو کی جو مثالی شخصیت پیش کی ہے عین وہی شخصیت یوسف عزیز مگسی کے سوانح کی ذیل میں لکھی گئی تحریروں میں ملتی ہے۔ 'افسانے' کا یہ کردار نہ صرف اقبال اور حالی سے متاثر ہے بلکہ ان کے شعر بھی اکثر و بیشتر پڑھتا رہتا ہے، اقبال کے چند شعر بھی دیے گئے ہیں۔ 'افسانے' کا ہیرو جس طرح جدید تعلیم اور انگریزی زبان سیکھنے کا شوق رکھتا ہے، وہ یوسف مگسی کے حالات کے ضمن میں ملتا ہے۔ فاروق احمد افسانے کے موضوع پر لکھتے ہوئے اس کے کردار 'عزیز' کا پورا نام عزیز احمد مگسی لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

اس کا موضوع بھی برصغیر میں پھیلی ہوئی آزادی کی تحریک کا غماز ہے خصوصاً اس کا کردار عزیز احمد مگسی۔ جدو جہد آزادی میں مصائب اور تکالیف برداشت کرنے اور حصول آزادی کی دھن میں سرفروشانہ جد و جہد کا اظہار ملتا ہے۔[۱۵]

گویا فاروق احمد جیسے صاحبِ نظر نقاد کی نظر میں بھی 'عزیز' دراصل یوسف عزیز مگسی ہے۔ جہاں تک اس کے موجوع کا تحریک آزادی کا غماز ہونا کہا گیا ہے وہ محل نظر ہے کہ اس تحریر کے متن میں انڈین نیشنل کانگریس کے جلسے میں عزیز کی شرکت اور اس کے مضمون کا تو بتایا گیا ہے جو ریاست جبل پور کے کمشنر کے خلاف لکھا گیا ہوتا ہے۔ اس میں 'جد و جہد آزادی میں مصائب' کا پتہ نہیں چلتا۔ اس تحریر کے بہ طور افسانہ کمزور پہلو اتنے واضح ہیں کہ خود فاروق احمد اسے پہلا افسانہ قرار دینے کے باوجود ایک اور جگہ ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''یہ افسانے کچی پکی شکل میں ہمارے سامنے آئے ہیں۔''[۱۶] صاف ظاہر ہے کہ پہلے انھوں نے رعایتی نمبر دیتے ہوئے اسے 'افسانہ' قرار دیا ہے۔

جہاں تک افسانے کے اسلوب کا تعلق ہے تو یہ افسانوی یا تخلیقی نثر کا اسلوب نہیں بلکہ یہ عین مین وہ اسلوب ہے جسے سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے اپنے مضامین میں رائج کیا اور اردو میں علمی نثر کی ابتداء کی اور جسے اب سرسید تحریک کا خاص اسلوب کہا جاتا ہے۔اس کا اظہار افسانے سے دیے گئے ان دو مختلف اقتباسات سے بھی ہو جاتا ہے اور پورے افسانے کی پڑھت میں بھی اس کا احساس بخوبی ہوتا ہے۔ان گزارشات کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یوسف عزیز مگسی نے اپنے ذاتی حالات اور سیاسی مقاصد کو کہانی کا رنگ دینے کی کوشش تو کی مگر وہ مواد، تکنیک یا اسلوب کی سطح پر ایسی فنکارانہ چابکدستی کا مظاہرہ نہ کر سکے کہ ان کی حقیقی سرگزشت ایک افسانے کا روپ دھار لیتی یا اس میں کم سے کم ایسے افسانوی خط وخال اجاگر ہو پاتے کہ اس کا شمار فکشن میں کیا جا سکتا۔ان کی کہانی کے انجام میں چالیس فرشتوں کا اجماع اور آسمان پر جلی حروف میں ''تکمیل انسانیت'' لکھا ہوا دکھایا جاتا ہے۔اس طرح کا غیر حقیقی ماحول اس اقتباس کو افسانے کی بجائے کسی تمثیل یا فرضی داستان کا اقتباس ظاہر کرتا ہے۔لہٰذا اسے افسانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ادب میں کسی قسم کی رورعایت نہیں چلتی۔آپ ادیب ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے۔بغیر کسی ادبی جوہر کے کوئی تحریر پایہء امتیاز حاصل نہیں کر سکتی۔یہ بات ضیاء الرحمٰن کی اس تحقیقی دریافت پر بھی صادق آتی ہے جو انھوں نے بلوچستان میں اردو کے پہلے افسانے کے حوالے سے کی۔اس کا ذکر ابتداء میں ہو چکا ہے۔اپنے مضمون میں ''تکمیل انسانیت'' کو رد کرتے ہوئے وہ ایک اور افسانے بہ عنوان 'ایک راز سربستہ کا انکشاف یا غیبی امداد' کو بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ قرار دیتے ہیں۔اپنے مضمون کے ساتھ انھوں نے اس نئے افسانے کا پورا متن بھی فراہم کیا ہے چونکہ اس کا پورا متن ہمارے سامنے ہے اس لیے اس 'افسانے' کا تجزیاتی مطالعہ آسان ہے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ آیا یہ تحریر افسانے کے فن پر پورا اُترتی ہے یا نہیں جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے۔افسانے کا خلاصہ یوں ہے کہ اس کا مرکزی کردار جو صیغہ واحد متکلم میں قصہ بیان کرتا ہے۔صبح کی نماز کے بعد سیر کے لیے جنگل میں جاتا ہے۔وہاں اسے ایک غیبی آواز سنائی دیتی ہے۔وہ اس آواز کی تلاش میں نکلتا ہے تو اسے درختوں کے پاس ایک فرشتہ نما انسان ملتا ہے۔پھر پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک عورت ہے۔یہ نورانی حسینہ اسے بتاتی ہے کہ وہ 'فتح وظفر کی ملکہ' ہے۔اور دنیا میں مسلمانوں کے زوال کی وجہ غور وفکر نہ کرنا اور دینی علوم سے عدم واقفیت ہے۔مسلمانوں کے ہاں دنیاوی تعلیم کے تو بہت ادارے قائم ہیں۔مگر مذہبی تعلیم کے ادارے نہ ہونے کے برابر ہیں۔یہ بتانے کے بعد وہ نورانی مخلوق تو غائب ہو جاتی ہے مگر آخر میں 'افسانے' کا مرکزی کردار کراچی کے ایک مدرسے کے لیے چندہ طلب کرنے لگتا ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ وہی مدرسہ ہے جہاں محقق کے بقول اس 'افسانے' کا مصنف اس زمانے میں دینی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔قطع نظر اس بات کے کہ اس تحریر کے عنوان سے افسانے کا تصور ذہن میں نہیں آتا بلکہ ایک نیم پختہ تحریر یا کہانی کا احساس ہوتا ہے۔افسانے کا ابتدائی حصہ طلبہ کے لیے صبح کی سیر پر

لکھا گیا مضمون لگتا ہے۔ آگے مرکزی کردار غیبی آواز سنتا ہے اور ایک فرشتہ صورت مخلوق سے نہ صرف ملتا ہے بلکہ وہ اس سے مکالمہ کرتا ہے ،جو دراصل 'فتح و ظفر کی ملکہ' ہوتی ہے۔ وہ اسے دنیا میں مسلمانوں کی ترقی کے گُر بتاتی ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے افسانے کا مرکزی کردار ایک مدرسے کے لیے چندے کا مطالبہ کرنے لگتا ہے۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس تحریر میں ایسی کوئی خوبی سرے سے مفقود ہے جو کسی افسانے کا جوہر ہو سکتی ہے، یا جس کی بناء پر کسی تحریر کو ادب پارہ قرار دیا جا سکتا ہو۔ اب یہ کہنا کہ اس زمانے میں بلوچستان میں ایسے ہی افسانے لکھے جا رہے تھے یا لکھے جا سکتے تھے تو یہ کوئی مناسب عذر نہیں ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ایسی متعدد تحریریں انیسویں صدی میں بھی ملتی ہیں اور سر سید احمد خاں کی بعض تحریریں بھی اس نوعیت کی ہیں۔ مثلاً حال ہی میں بلوچستان میں اردو کے سیکنڈری سطح کے نصاب میں تبدیلی لاتے ہوئے سر سید احمد خاں کا ایک مضمون ''گزرا ہوا زمانہ'' شامل کیا گیا ہے۔ اس میں سر سید احمد خان نے وقت کی اہمیت کا احساس دلانے کی کوشش ایک کہانی کے روپ میں کی ہے۔ سر سید کا یہ مضمون تہذیب الاخلاق میں ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا تھا۔[۱۷] یہ اگرچہ ایک نصیحت آموز قصہ ہے مگر اس میں اس طرح کی ''افسانویت'' بخوبی پائی جاتی ہے جو کہ یوسف عزیز مگسی کے ''تکمیلِ انسانیت'' میں ہے۔ یعنی اس طرح سر سید بھی اردو کے پہلے افسانہ نگار قرار دیے جا سکتے ہیں۔ سر سید احمد خان کے بارے میں یہ دعویٰ یوں بھی زیب دیتا ہے کہ انھوں نے یوسف عزیز مگسی کی نسبتاً اپنی تحریروں کا ایک وسیع ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، اور وہ اپنے انمٹ نقوش کے باعث اردو ادب میں ایک مستقل مقام رکھتے ہیں؛ مگر اردو کے کسی نقاد یا محقق نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ اب حقیقت یہ ہے کہ اس نوع کی تحریروں پر 'افسانے' کا اطلاق نہیں ہوتا، چاہے اس کے مصنف نے ایسا دعویٰ کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور چاہے وہ سیاسی و سماجی لحاظ سے کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو۔ کسی بھی تحریر کی ادبی اہمیت تب قائم ہوتی ہے جب وہ اپنی صنف کے بنیادی فنی تقاضوں پر پوری اترے۔ یہ بات بلوچستان میں اردو کے ابتدائی افسانے کے حوالے سے پیش کی جانے والی تحریروں پر صادق آتی ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ بلوچستان میں اردو کے ابتدائی ''افسانے'' جس دور سے تعلق رکھتے ہیں، اس وقت اردو میں کئی اہم افسانہ نگار سامنے آ چکے تھے مثلاً سجاد حیدر یلدرم، حجاب امتیاز علی، نیاز فتح پوری اور پریم چند وغیرہ۔ مسعود رضا خاکی نے ان افسانہ نگاروں کا ذکر کرتے ہوئے ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۶ء کے عرصے کو اردو افسانے کا تیسرا دور قرار دیا ہے۔[۱۸] یعنی ایک ایسے زمانے میں، جب اردو افسانہ ایک اہم ادبی صنف کے طور پر اپنا آپ منوا چکا تھا، اس دور میں لکھی گئی کچی پکی تحریروں کو بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ قرار دینا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ البتہ ان لکھنے والوں نے اپنی تحریروں کو افسانہ قرار دیا ہے تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ نہ صرف صنفِ افسانہ سے واقف تھے؛ بلکہ انہوں نے اپنی حد تک افسانہ لکھنے کی کوشش بھی کی مگر وہ اس نئی صنف کی فنی باریکیوں سے پورے طور پر آشنا نہ تھے، اس لیے وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان دلائل کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ 'تکمیلِ انسانیت' کو بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ قرار دینا کسی طور مناسب نہیں؛ اس حوالے سے پیش کیا جانے والا دوسرا افسانہ ''ایک سربستہ راز کا انکشاف

یا غیبی امداد' بھی ایسی تحریر نہیں ہے جسے افسانہ کہا جا سکے۔اب یہ سوال اٹھتے ہیں کہ آخر بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ کون سا ہے اور پہلا باقاعدہ افسانہ نگار کون ہے اور اس کے فنی وفکری امتیازات ومعیار کیا ہیں؟ ان سوالوں کے تفصیلی جواب ایک ایسی بحث کے در کھولتے ہیں جو یہاں بہ وجوہ ممکن نہیں۔اس لیے ہم اسے کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ پنج گلدستہ ء زیب کی پہلی اور خزینۃ الاشعار کی دوسری اشاعت ۱۹۹۶ء راقم کے پیش نظر ہے، جس کا مقدمہ پروفیسر شرافت عباس کا تحریر کردہ ہے۔ان کے فارسی قلمی مجموعے کا تعارف وتذکرہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے سب سے پہلے اپنی کتاب بلوچستان میں فارسی شاعری [۱۹۶۸ء] میں کیا ہے، دیکھیے صفحہ ۲۵۳۔سید خورشید افروز نے حال ہی میں شائع ہونے والی اپنی کتاب مشاہیر بلوچستان جلد اول میں زیب مگسی کی کتب کا تذکرہ انعام الحق کوثر کے حوالے سے ہی کیا ہے۔انھوں نے زیب کے اردو دیوان کی بہ خط زیب اشاعت بارے بھی لکھا ہے۔راقم کی نظر سے یہ مجموعہ نہیں گزرا۔

۲۔ یہ قطعہ ظفر علی خاں کے شعری مجموعوں میں دستیاب نہیں۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے یہ قطعہ بشیر احمد وارثی کی کتاب تذکرہ ء مگسی [۱۹۵۸ء] کے حوالے سے اپنی کتاب بلوچستان میں اردو میں صفحہ ۱۱۰ میں درج کیا ہے۔

۳۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، بلوچستان میں اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع سوم، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۵۱۵

۴۔ فاروق احمد، ڈاکٹر بلوچستان میں ارود زبان و ادب، بولان اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۸۳

۵۔ مبارکہ حمید، مسز بلوچستان میں اردو افسانے کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، نوید پبلیکیشنز، کوئٹہ، ۲۰۰۱ ص ۳۳

۶۔ طاہرہ اقبال، پاکستانی اردو افسانہ، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۶۸۶

۶۔ مری، شاہ محمد میر یوسف عزیز مگسی سنگت اکیڈمی آف سائینسز، کوئٹہ، ۲۰۱۴ء اشاعت دوم ص ۲۹

۷۔ ضیاء الرحمن، ڈاکٹر "کیا تکمیل انسانیت بلوچستان میں اردو کا پہلا افسانہ ہے؟" مشمولہ؛ قلم قبیلہ شمارہ ۱، ۲۰۰۶ء مدیر؛ بیرم خان، قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ، کوئٹہ، ص ۵۷

۸۔ وقار عظیم، فن افسانہ نگاری ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ [انڈیا] ۱۹۹۷ء، ص ۱۶

۹۔ قمر رئیس،مرتب؛ مضامین ِپریم چند یونیورسٹی پبلشرز،علی گڑھ[انڈیا]۱۹۶۰ء،ص ۸۸

۱۰۔ یوسف عزیز مگسی تکمیل ِ انسانیت یونیورسٹی آف بلوچستان،کوئٹہ،۲۰۱۷ء،ص۲

۱۱۔ ایضاً ،ص۳

۱۲۔ ایضاً ،ص۵

۱۳۔ ایضاً ،ص۸

۱۴۔ فاروق احمد،بلوچستان میں اردو زبان و ادب ،ص۲۹

۱۵۔ ایضاً ص ۱۷

۱۶۔ پانی پتی،محمد اسماعیل،مولانا مرتب؛ مقالات ِ سر سید ،جلد پنجم،مجلس ترقی ادب،لاہور،۱۹۹۰ء طبع دوم
،ص ۲۵۷

۱۷۔ مسعود رضا خاکی،ڈاکٹر،اردو افسانے کا ارتقاء،مکتبہء خیال،لاہور،۱۹۸۷ء،ص ۱۹۰